بار اوّل ۳۰۰۰

سلسلہ تبلیغ ۴۵

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

وعظ

ترک المعاصی

(گناہوں کو چھوڑنا)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر واشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون کامران بلاک : ۴۴۸۰۶۰ — ۵۲۲۲۲۱۳
فون پرانی انارکلی : ۷۳۵۴۷۲۸

جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ

اکتوبر ۱۹۹۷ء

ترک المعاصی

حضرت والاؒ نے یہ وعظ، ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑنے کے موضوع پر ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ کو بندر مسجد گاڑی احاطہ کراچی میں ایک گھنٹہ تک کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۴۰۰ تھی۔ مولانا سعید احمد صاحبؒ نے وعظ قلم بند فرمایا۔

ترکِ المعاصی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وبارک وسلم. امّا بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم . قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ وذروا ظاھرالاثم وباطنہ. ان الذین یکسبون الاثم سیجزون بماکانوا یقترفون[1].

(اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی)۔

یہ ایک مختصر سی آیت ہے اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے ایمان والے بندوں کو ایک نہایت عظیم الشان اور بڑے ضرر[2] کی چیز سے بچایا ہے جس سے خدا تعالیٰ کی رحمت کاملہ اپنے بندوں پر معلوم ہوتی ہے یہ بات ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ محتاج نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا کوئی کام بندوں کی اصلاح پر موقوف نہیں ہے ان کی سلطنت[3] مثل سلاطین[4] دنیا کے نہیں ہے کہ اگر رعایا مطیع[5] اور فرمبردار ہے تو وہ بادشاہ ہیں اور اگر نافرمان باغی ہوجائے تو کچھ بھی نہیں۔ دنیا کے سلاطین کی سلطنت کامدار ہی اطاعت رعایا پر ہے۔ اس لیے اگر کوئی بادشاہ دنیا کا رعایا[6] کو کچھ مصلحت کی بات بتلائے تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اپنی مصلحت کے لیے بتلا رہا ہے تاکہ بغاوت نہ ہو اور ہمارے ملک میں ضعف نہ آئے لیکن خدا تعالیٰ کی وہ سلطنت ہے اگر سب کے سب مل کر بھی بغاوت کریں تو اس میں ذرہ برابر کمی نہیں آسکتی اس لیے کہ اس کی تمام صفات قدیم[7] ہیں جن پر

---

(۱) الانعام آیت: ۱۲۰ (۲) نقصان (۳) بادشاہت (۴) دنیاوی بادشاہوں (۵) فرمابردار (۶) پبلک (۷) [illegible] سے ہیں

زوال ممتنع[۱] ہے۔ مسئلہ مسلمہ ہے[۲] ماثبت قدمہ امتنع عدمہ یعنی جو چیز قدیم ہوگی اس کا عدم ممتنع[۳] ہوگا تو چونکہ خدا تعالیٰ کی صفت سلطنت اور ملک و حکومت کی قدیم ہے اس لیے اس کو زوال ہو ہی نہیں سکتا نہ اس میں کوئی تغیر آسکتا ہے۔ تو اس حالت میں اگر خدا تعالیٰ کوئی بات مصلحت کی بتلائیں گے تو وہ سراسر ہماری مصلحت کے لیے ہوگی اس میں یہ احتمال[۴] ہی نہیں کہ اپنی منفعت[۵] کے لیے بتلایا ہوگا۔ پس اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی کہ بلا غرض نفع رسانی[۶] ہو دنیا میں اگر کوئی نفع پہنچتا ہے تو اس میں اپنا بھی نفع ملحوظ رکھتا ہے جیسا مثال مذکور سے معلوم ہوا اور بعض کی نفع رسانی میں اگرچہ کوئی ظاہری مصلحت اس شخص کی معلوم نہ ہو جیسے طبیب کا نسخہ تجویز کرنا لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اس میں بھی اپنی کوئی غرض مخفی[۷] ضرور ہوتی ہے مثلاً یہ کہ اس شخص سے ہم کو مال حاصل ہوگا یا اس کے ذریعہ سے ہماری شہرت ہوگی یا کم از کم اگر کچھ بھی توقع نہ ہو اور کوئی بہت ہی بڑا دیندار ہو تو اس کو ثواب کی توقع تو ضرور ہی ہوگی اور یہ بہت ہی بڑی غرض ہے کہ دوسری تمام اغراض اس کے سامنے گرد[۸] ہیں اگرچہ یہ غرض مذموم[۹] نہیں بلکہ محمود[۱۰] و مطلوب ہے لیکن غرض تو ضرور ہے اور غرض بھی بہت بڑی ہے طالب ثواب کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے بے غرض نفع رسانی کی اور اگر کوئی شخص ایسا رحم دل ہے کہ اس کی نیت حصول ثواب کی بھی نہ ہو جیسے ماں باپ کی پرورش کہ بلا نیت ثواب ہوتی ہے گو اس پر ثواب بھی مرتب ہو جائے۔ یا مثلاً طبیب کا اپنے بچے کو دوا پلانا کہ بلا قصد ثواب ہوتا ہے وہ بھی غرض سے خالی نہیں، کم سے کم اپنے نفس کی راحت رسانی تو ضرور مقصود ہے یعنی بچے کی تکلیف دیکھ کر جو اپنے کو تکلیف ہوتی ہے اس علاج

---

(۱) ناممکن ہے (۲) مانا ہوا ہے (۳) مطلب یہ ہے کہ جو چیز ہمیشہ سے ہوگی وہ ہمیشہ رہیگی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ اللہ پاک کی تمام صفات ایسی ہی ہیں کہ ہمیشہ سے ہیں ہمیشہ رہینگی۔ (۴) امکان (۵) اپنے نفع کے لیے (۶) بغیر کسی غرض کے فائدہ پہنچانا (۷) پوشیدہ (۸) ہیچ (۹) ناپسندیدہ (۱۰) پسندیدہ

اور تجویز نسخہ سے اپنی اس تکلیف کا دفع کرنا اور اپنے کو راحت پہنچانا ہی مقصود ہے۔ اسی طرح اگر اجنبی کے ساتھ ہمدردی کی تو وہاں بھی ازالہ رقت جنسیت[1] کا مقصود ہے غرض کوئی عاقل صدہا[2] برس تک بھی سوچے تو وہ ایسی مثال نہیں بتلا سکتا جس میں کسی شخص نے دوسرے کو بلا اپنی کسی غرض کے نفع پہنچایا ہو۔ یہ خلاف خدا تعالیٰ کے کہ ان کو کسی کی احتیاج نہیں نہ مال کی ضرورت نہ جاہ کی طلب نہ جوش طبیعت مثل مادر و پدر[3] کے کیونکہ انفعال[4] سے خدا تعالیٰ بالکل پاک ہیں ان پر کوئی چیز مؤثر نہیں اور اس کی رحمت اختیاری ہے اس کا غصہ بھی مثل غصہ اہل دنیا کے نہیں کہ وہ بے چین ہوجاتے ہوں بلکہ انتقام عین ارادہ اس کے غصے کا حاصل ہے اور انفعال کے امتناع[5] کی وجہ یہ ہے کہ اس پر کوئی حاکم نہیں نہ اس پر کوئی قادر اور مؤثر[6] متاثر[7] سے زور دار ہوتا ہے تو اگر خدا تعالیٰ پر کوئی چیز نہ مؤثر ہوسکے تو خدا خدا نہ رہے گا۔ غرض یہ اہل اسلام کا عقیدہ اور مسلمہ[8] مسئلہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کوئی چیز قادر و مؤثر نہیں تو رحمت کے بھی یہ معنیٰ نہیں کہ اس کو جوش ہوتا ہے جیسے مادر شفیق[9] کو۔ بلکہ وہ صرف ارادے سے کرتے ہیں اور جب ایسا ہے تو وہاں یہ نفع بھی مطلوب نہیں کہ ہم کو راحت ہوگی۔ پس وہ جو شفقت کریں گے تو بالکل بے غرض شفقت ہوگی۔ وہ ہر طرح بے نیاز اور ہم ہر طرح محتاج ہیں۔ اب دیکھیے کہ اگر دنیا میں دو شخصوں میں ایسا علاقہ[10] ہو کہ زید کو عمرو کی کوئی حاجت نہ ہو اور عمر کو زید کی حاجت ہو تو حالت یہ ہوتی ہے کہ محتاج الیہ[11] منہ بھی نہیں لگایا کرتا اور محتاج[12] اس کے پیچھے پیچھے پھرا کرتا ہے تو اگر خدا تعالیٰ بھی اپنے استغناء[13] اور مخلوق کی احتیاج[14] کے اس مقتضائے[15] مذکور پر عمل کرتے تو وہ بھی توجہ نہ کرتے اللہ اکبر اتنی مستغنی ذات اور پھر اتنی بڑھی

---

(۱) اپنے ہم جنس کی رعایت (۲) سینکڑوں سال (۳) ماں باپ (۴) کسی فعل سے متاثر ہونے سے (۵) اور کسی فعل سے متاثر نہ ہونے کے ناممکن ہونے کی وجہ یہ ہے (۶) اثر ڈالنے والا (۷) اثر قبول کرنے والے (۸) طے شدہ مسئلہ (۹) شفیق ماں کو (۱۰) تعلق و واسطہ (۱۱) جس سے کام ہوا کرتا ہے (۱۲) جس کو کام ہوا کرتا ہے (۱۳) بے نیازی (۱۴) ضرورت مندی (۱۵) اس تقاضے پر

رحمت کہ ہم کو ہمارے ضرر[1] سے مطلع فرماتے ہیں اس سے زیادہ کیا رحمت ہوگی اسی رحمت کے مقتضاء پر اس آیت میں ہم کو ہماری ایک ضرورت پر مطلع کیا ہے جس سے ہم کو اس کی رحمت کا ممنون[2] ہونا چاہیے کیونکہ قاعدہ شریف طبائع کا یہ ہوتا ہے کہ جس قدر کسی کی عنایت دیکھتے ہیں اسی قدر اس کے سامنے پگھل جاتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے الانسان عبدالاحسان (انسان غلام ہے احسان کرنے والے کا) مگر عجب بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کو سن کر ہماری اور زیادہ سرکشی بڑھتی ہے اور لوگ اور زیادہ جری[3] ہوجاتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ رحمت اور مغفرت کی آیتوں کو سن کر اور زیادہ اطاعت کرتے اور معاصی[4] پر جرأت نہ کرتے کیونکہ یہ آیات اس لیے نہیں فرمائی گئیں کہ سب بے فکر ہوجائیں۔

اللہ کے غفور رحیم ہونے کا مطلب

بلکہ سبب اس کا یہ ہے کہ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو تمام عالم جہل سے پر تھا جب حضور ﷺ نے طریقۂ نجات ارشاد فرمایا تو سلیم الطبع لوگوں نے اس کو سمجھا اور مانا لیکن ان کو یہ شبہ ہوا جس کو بعض نے خود آکر عرض بھی کیا کہ تمام عمر تو نافرمانی میں گذری ہے اب توبہ کرلینے سے اور اطاعت کرنے سے وہ نافرمانی کیونکر دھل جائے گی اور اس کا اثر کیسے جاتا رہے گا تو پھر اپنے آبائی[5] مذہب کو بھی کیوں چھوڑا ان حضرات نے خدا تعالیٰ کے معاملے کو دنیا کے لوگوں کے معاملے پر قیاس کیا کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا علم ان کو نہ تھا وہ خدا کو پورا پہچانتے نہ تھے اور یہی وجہ تھی ان کے شرک میں مبتلا ہونے کی کہ وہ یوں سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ مثل شاہان[6] دنیا کے ہوں گے کہ جس طرح شاہانِ دنیا تنِ تنہا سلطنت کے کام کو نہیں سنبھال سکتے بلکہ ہر کام کا عملہ الگ ہوتا ہے اور ہر کام

---

(۱) نقصان سے (۲) احسان مند (۳) دلیر (۴) گناہوں (۵) باپ دادا کے مذہب۔
(۶) دنیاوی بادشاہوں کی طرح

کے لیے کارکن جدا مقرر ہوتے ہیں ایسے ہی وہ سمجھے کہ خدا تو ایک ہے وہ سارے کام کیسے کرے گا تو ایک عملہ گھڑا اور نائب مقرر کرلیے کہ چھوٹے چھوٹے کام ان سے نکال لیں گے اور بڑے بڑے کام خدا تعالیٰ سے چنانچہ ان کے اس خیال کو قرآن مجید کی اس آیت میں ظاہر کیا گیا ہے فاذا رکبوا فی الفلک دعوالله مخلصین له الدین الخ [1] (جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں خلوص دل کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں) نیز حضور ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے کتنے خدا ہیں اس نے کہا کہ سات ہیں ایک آسمان میں اور چھ زمین میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا بڑے کاموں کے لیے کس کو تجویز کیا ہے، کہا آسمان والے کو غرض وہ یہ سمجھتے تھے کہ خدا تعالیٰ ایسے ہی ہیں جیسے شاہان دنیا اس قیاس فاسد [2] سے ان کو یہ بھی شبہ ہوا کہ اسلام لانے پر بھی شاید پچھلے جرائم باقی رہیں جیسے مثلاً فرض کرو اگر کوئی کسی کے باپ کو قتل کردے اور پھر بیٹے سے معاف کرائے تو گو وہ معاف بھی کردے مگر دل کا میل نہیں جاسکتا تو انہوں نے بھی یہی سمجھا کہ جب معاف یا خوش ہونے کی امید نہیں پھر ماں باپ اور قدیم مذہب کو بھی کیوں چھوڑا اور یہ شبہ آکر پیش کیا کہ اگر ہم مسلمان ہوں تو ہمارے گناہ کیسے معاف ہوں گے اور اگر نہ معاف ہوئے تو مسلمان ہونے سے فائدہ کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله [3]۔ یعنی اے محمد ﷺ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ خدا کی رحمت سے نا امید نہ ہو وہ سب معاف کردے گا تم توبہ کرلو اس میں خاصیت یہ ہے کہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں گو ہر گناہ کی معافی کے قوانین الگ الگ ہیں جس کی تفصیل کتب شرعیہ میں ہے۔ تو آیات رحمت سے مقصود یہ ہوا کہ شکستہ دل [4] لوگوں کو تسکین [5] ہو نہ یہ کہ عام لوگوں کو اور جری [6] کردیا جائے۔ غرض رحمت کے ذکر سے زیادہ متاثر

---

(۱) العنکبوت آیت ۶۵ (۲) غلط استدلال (۳) الزمر آیت ۵۳ (۴) ٹوٹے ہوئے دل والوں کے لیے۔
(۵) سکون حاصل ہو (۶) دلیر

اور مطیع ہونا چاہیئے۔

اس آیت سے یہ بھی ایک بڑی رحمت ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو مضرت [۱] سے بچنے کی تعلیم دی ہے پس ہم کو چاہیئے کہ اور زیادہ مطیع [۲] ہوجائیں اور اس مضرت سے بچنے کی کوشش کریں۔

نقصان عظیم کیا ہے

اب سمجھیئے کہ وہ مضرت [۳] کیا ہے۔ سو اس کی تعیین آیت کے ترجمہ ہی سے ہوجائے گی۔ ترجمہ یہ ہے کہ اے مسلمانو! چھوڑ دو ظاہر گناہ کو اور باطن گناہ کو تو وہ مضرت گناہ ہے۔ اور ظاہر اور باطن فرمانا اشارہ ہے تعمیم [۴] کی طرف یعنی ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ امر کا صیغہ [۵] وجوب کے لیے ہوتا ہے اور یہاں خدا تعالیٰ نے بصیغۂ امر فرمایا ہے تو ہر قسم کے گناہ کا ترک واجب ہوا پھر لفظ "اثم" فرما کر اس وجوب کو اور بھی موکد کردیا ہے یعنی اگر کسی فعل کے ترک کو واجب کہا جائے پس واجب کہنا اس فعل کے گناہ ہونے پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے اور جو اس کے ساتھ اس فعل کو گناہ بھی کہا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے اور زیادہ تاکید ہوجائے گی۔ غرض معلوم ہوا ہوگا کہ وہ مضرت گناہ کرنا ہے۔

گناہ کا نقصان ہونا کیسے معلوم ہو؟

رہا یہ شبہ کہ ہم کو تو گناہ کرنے سے کوئی مضرت نہیں معلوم ہوتی نہ کبھی کوئی سزا ہوتی ہے تو سمجھیئے کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جن کا وجدان [۶] صحیح نہیں ہے اور ان کو کسی قسم کی مضرت محسوس نہیں ہوتی ان

---

(۱) نقصان (۲) فرمانبردار (۳) نقصان (۴) اس کے عام ہونے کی طرف (۵) قرآن پاک میں جب کسی کام کا حکم دیا جائے امر کے صیغہ سے تو وہ کام کرنا ضروری ہوتا ہے (۶) نفس اور اس کی باطنی قوتیں اسی لیے وجدانی وہ چیزیں کہلاتی ہیں کہ جس کو انسان اپنے نفس سے محسوس کرے

کے لیے تو جواب یہ ہے کہ نصوص[1] میں دیکھ لو گناہ میں آخرت کی کیا کیا سزائیں مقرر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں سیجزون بما کانوا یقترفون[2] یعنی ان کو آخرت میں بہت جلد سزا ہوگی تو کیا یہ سزا کوئی چھوٹی مضرت ہے ہر گز نہیں۔ دیکھیے دنیا کی مضرت اگر آپ کی سمجھ میں آجاتی تو اس کو آپ بھی مضرت سمجھتے تو آخرت کی سزا تو اس سے زیادہ ہی ہے۔

دنیا اور آخرت کے نقصان میں فرق

چنانچہ دنیا کی مضرت[3] میں اور آخرت کی مضرت میں فرق یہ ہے کہ دنیا کی کیسی ہی مضرت ہو اس میں منفعت[4] کا شائبہ ضرور ہوتا ہے اگر سر میں درد ہے تو یہ کتنی بڑی بات ہے کہ پیٹ میں نہیں اگر مال جاتا رہا تو یہ کتنی بڑی منفعت ہے کہ آبرو[5] نہیں گئی۔ نیز ایک درد کے ساتھ دس درد مند[6] ہیں۔ باپ، بیٹے اور احباب وغیرہ تو کیا اس سے تسلی نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے اور دکھ درد میں بہت تخفیف ہوجاتی ہے۔ پس دنیا میں مضرت کے ساتھ ایک منفعت ضرور ہوتی ہے اور ایک بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں اسی تکلیف کے بہت سے مبتلا بھی نظر آتے ہیں اور مشہور ہے البلیۃ اذا عمت خفت (جو مصیبت عام ہوجاتی ہے ہلکی معلوم ہوتی ہے) اور طبعی امر[7] بھی ہے کہ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ بعض اوقات درد اور تکلیف میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے خوب کہا ہے۔

پای در زنجیر پیش دوستاں   بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

(دوستوں کے ساتھ قید میں رہنا بھی غیروں کے ساتھ باغ میں رہنے سے بہتر ہے)

پھر بعض اوقات اس کے ازالے کے اسباب بھی اختیار میں ہوتے ہیں اور اگر ان سے زوال نہیں ہوتا تو بعض اوقات کچھ سکون ہی ہوجاتا ہے۔ پھر یہ کہ اگر شدت ہوتی ہے تو اتنی کہ سہار ہوسکے چنانچہ شدت تکلیف میں نیند کا آجانا اس کی

---

(١) قرآن وحدیث (٢) (٣) تکلیف (٤) کچھ نہ کچھ فائدہ (٥) عزت (٦) ہمدرد (٧) طبعی تقاضا

دلیل ہے کہ تکلیف قابل برداشت ہے اکثر اوقات دل بھی بٹ جاتا ہے غرض دنیا کی تکلیف کی تو یہ کیفیت ہے۔ اب آخرت کے عذاب کو دیکھیے کہ اس میں راحت کا نام بھی نہیں ہے سر سے پاؤں تک تکلیف ہی میں غرق ہوگا کہ نہ سر کو چین نہ پیر کو نہ ہاتھ کو۔ ایک شخص[۱] جس کو سب سے کم عذاب ہوگا اس کی بابت حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس کو آگ کی جوتیاں پیر میں پہنادی جائیں گی مگر شدت کی یہ حالت ہوگی کہ اس کا سر مثل دیگ کے پکتا ہوگا اور وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کوئی عذاب میں نہیں۔ صاحبو! کیا یہ کچھ کم مضرت ہے اور اگر اب بھی اس کا احساس نہیں ہوا تو امتحان کے لیے اپنی انگلی آگ کے اندر رکھ کر دیکھ لیجیے اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ اس عذاب کی کیا کیفیت ہوگی جو دنیا کی آگ سے ستر درجے زیادہ ہے کیونکہ جب اس آگ میں ایک منٹ بھی انگلی نہیں رکھی جاتی تو اس آگ کا برسوں تحمل[۲] کیسے ہوگا بلکہ اگر بہت ہی کم مثلاً ایک ہی دن کی اس میں قید ہوگئی تو اس کا بھی تحمل کیسے کیاجاوے گا بالخصوص جبکہ وہ دن بھی ہزار برس کے برابر ہو۔ چنانچہ خود ارشاد ہے۔ وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون[۳]۔ (تحقیق وہ دن تیرے رب کے نزدیک تمہاری شمار کے لحاظ سے ہزار برس کے برار ہوگا) اس پر شاید لوگوں کو تعجب ہو بلکہ عجب نہیں کہ ہمارے نوجوان جدید تعلیم یافتہ جماعت کو اس پر ہنسی آئے کہ ایک دن ہزار برس کا کیسا ہوگا۔ لیکن واقع میں یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں ہے دیکھو دنیا میں بھی عرض تسعین میں چھ ماہ کا ایک دن ہوتا ہے جیسا دنیا میں اتنا بڑا دن موجود ہے تو اگر اس عالم کا ایک دن ہزار برس کے برابر ہو تو کیا تعجب ہے کیونکہ معمورہ اور ارض تسعین تو پھر بھی اس عالم کے اجزاء ہیں جب ایک ایک عالم کے اجزاء ہو کے خواص میں اس قدر تفاوت ہے تو جہاں عالم ہی بدل گیا وہاں اگر اس سے

---

(۱) اس شخص سے مراد ابو طالب ہیں (۲) سالوں کیسے برداشت کروگے (۳) الحج آیت ۴۸ (۴) ذق ہے

زیادہ تفاوت ہوجائے تو تعجب کیا ہے۔ تو اگر وہاں ایک دن کی سزا بھی ہوگئی تو کمیتہً[۱] یہاں کے ہزار برس کی سزا کے برابر ہے۔ اور کیفاً[۲] اس سے بھی زیادہ۔ دوسرے دنیا میں یہ راحت تھی کہ ہمدرد غمخوار موجود تھے وہاں یہ حالت ہوگی کہ کوئی بھی نہ پوچھے گا پھر یہ کہ یہاں تو اپنے سے زیادہ تکلیف میں دوسرے کو مبتلا دیکھ کر تسلی بھی کرلیتا ہے اور وہاں ہر شخص کو یہ خیال ہوگا کہ مجھ سے زیادہ کوئی تکلیف میں مبتلا نہیں ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ عذاب ابدی ہوا تو غضب ہی ہے کیونکہ وہاں کبھی موت بھی نہ آئے گی بلکہ یہ حالت ہوگی کہ کلمانضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا لیذوقوا العذاب[۳]۔ (جب ان کی کھال جل کر راکھ ہوجاتی ہے تو ہم ان کی دوسری کھال بدل دیتے ہیں۔ تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں)۔

تو تعجب ہے مسلمان پر کہ دنیا کی اتنی ہلکی تکلیف کو تو تکلیف سمجھے۔ اور اتنی بڑی مضرت پر نظر نہ کرے یہ تو جواب ان لوگوں کے لیے تھا کہ ان کا وجدان صحیح نہیں ہے کہ ان کو گناہ کی مضرت عاجلہ[۴] محسوس نہیں ہوتی اور وجدان کے بطلان[۵] کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ گناہ کا یہ بھی خاصہ ہے کہ انسان کی عقل اور سلامت فطرت اس سے بالکل برباد ہوجاتی ہے لیکن جن لوگوں کا ادراک صحیح ہے ان کے لیے اس سوال کا کہ گناہ میں کیا مضرت ہے علاوہ جواب مضرت آخرت کے یہ بھی جواب ہے کہ گناہ میں مضرت عاجلہ[۶] بھی ہے لیکن ہم اپنی بے تمیزی سے اس مضرت کو لذت سمجھتے ہیں۔ میں ابھی اس کو عرض کروں گا۔

خرابی وجدان کی مثال

لیکن اول ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ مشہور ہے کہ ایک غیر ملکی وحشی

---

(۱) مقدار کے اعتبار سے (۲) کیفیت یعنی شدت کے اعتبار سے (۳) النساء۔ آیت ٦٥۔
(۴) فوری نقصان یا تکلیف (۵) احساس کے غلط ہونے کی (٦) فوری تکلیف

ہندوستان میں آیا اتفاق سے آپ ایک حلوائی کی دکان سے گذرے وہاں گرم گرم حلوا رکھا ہوا تھا خوشبو سونگھ کر طبیعت للچائی۔ درم و دوام کچھ پاس نہ تھے۔ آپ نے اس میں سے ایک لپ[۱] بھر کر حلوا اٹھایا اور کھا گئے۔ حلوائی نے رپٹ لکھوائی افسر نے جاِلان کو خلجان[۲] سمجھ کر تنبیہ کے لیے حکم دیا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے اس کے پیچھے لڑکے ڈھلی خنجری بجاتے ہوئے تشہیر کرتے ہوئے شہر بدر[۳] کردیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ جب یہ اپنے ملک واپس ہوا لوگوں نے ہندوستان کا حال پوچھا۔ آپ فرماتے ہیں۔ ہندوستان خوب ملک ست، حلوا خوردن مفت ست، سواری خر مفت ست، فوج طفلان مفت ست، ڈم ڈم مفت ست، ہندوستان خوب ملک ست[۴]۔ تو جیسا اس وحشی نے غایت غباوت سے اس سامان ذلت کو سامان عزت قرار دیا[۵] تھا ایسا ہی ہم بھی اپنے سامان کلفت کو سامان لذت سمجھتے ہیں۔

وجدان صحیح کرنے کی ترکیب

یہ تو مثال تھی مگر میں مثال پر اکتفا نہ کروں گا بلکہ اس کی حقیقت بتلاتا ہوں غور کیجیے اور غور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو آپ نے سامان لذت سمجھ رکھا ہے کبھی اس سے گذر کر اس کے متضاد[۶] حالت پر بھی نظر کیجیے تب آپ کو اس لذت ظاہری کے کلفت[۷] حقیقیہ ہونے کا احساس ہو کیونکہ ادراک کے غلط ہوجانے کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اس سامان کے مقابل کو نہیں دیکھا قاعدہ مقررہ ہے کہ الاشیاء تعرف باضدادہا (ہر قسم کی چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) دیکھو

---

(۱) مٹھی بھر (۲) پریشانی کا باعث (۳) شہر سے باہر نکال دیں (۴) ہندوستان بہت اچھا ملک ہے، حلوا مفت کھانے کو ملتا ہے، گدھے کی سواری مفت ہے، بچوں کی فوج مفت ہے، ڈھول باجہ مفت ہے، ہندوستان بہت اچھا ملک ہے۔ (۵) اپنی انتہائی بے وقوفی سے اس رسوائی کو عزت سمجھ رہا تھا (۶) خلاف (۷) اس ظاہری لذت کے حقیقی پریشانی ہونے کا احساس ہو گا

جو ہمیشہ کسی کیچڑ میں رہتا ہو اور اسی میں پیدا ہوا ہو وہ چونکہ شفاف پانی سے واقف نہیں اس لیے اس کے نزدیک وہ سڑا ہوا کیچڑ ہی شفاف پانی ہے لیکن اگر کسی شفاف شیریں خوش ذائقہ رنگ چشمہ پر اس کا گذر ہو تو اس کو حقیقت اس کیچڑ کی معلوم ہو سکتی ہے۔ تو ہم نے چونکہ ہوش کدورات ہی میں سنبھالا ہے اس لیے ہم کو اس کی برائی یا اچھائی کی اطلاع نہیں۔ امتحان کے لیے یہ کیجیے کہ ایک ہفتہ بھر کے لیے گناہ کو چھوڑ دیجیے اور اپنے دنیوی کاموں کا کوئی بندوبست کرکے اور ان میں تلاوت اور ذکر اللہ میں مشغول رہیے اور کسی قسم کی نافرمانی اس زمانے میں نہ کیجیے صرف ایک ہفتہ بھر ایسا کرلیجیے اس کے بعد اپنے قلب[1] کو دیکھیے کہ کیا حالت ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے قلب میں ایک بہار شگفتگی پائیں گے اور اس کے بعد پہلی حالت معصیت پر تو آپ خود بہ خود آ ہی جائیں گے اس کے بعد جب ایک دو دن معصیت میں گذر چکیں پھر دیکھیے قلب کو کہ کیا حالت ہے اور پہلی حالت سے موازنہ کیجیے۔ واللہ آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ جمعیت[2] تھی اور یہ تشویش[3] ہے وہ راحت تھی یہ کلفت ہے وہ لذت تھی یہ معصیت ہے اس وقت آپ کو گناہ کرکے ایسی تکلیف ہوگی جیسے کسی کانٹے کے لگ جانے سے ہوتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ گناہ سے بچتے ہیں ان کو گناہ کا ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے بلکہ اگر بلا ضرورت نافرمان کے پاس بھی بیٹھتے ہیں تو پریشان ہوجاتے ہیں اور اگر کوئی کم ہمتی سے یہ امتحان بھی نہ کرنا چاہے کہ اس میں چندے فارغ للطاعات[4] ہونا پڑتا ہے تو میں اس سے ترقی کرکے کہتا ہوں بحالت موجودہ ہی غور کرلیجیے کہ آپ کو کبھی سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے یا ہر وقت تکلیف اور پریشانی ہی گذرتی ہے اگر اس کا بھی اندازہ نہ ہو تو اور آسان بتلاتا ہوں کہ اہل اللہ کے پاس جائیے اور اہل اللہ سے مراد وہ لوگ نہیں کہ ان کے بیوی بچے کچھ بھی نہ ہوں بلکہ وہ لوگ مراد

---

(۱) دل (۲) دل جمعی سکون (۳) پریشانی (۴) کچھ دنوں کے لیے اپنے آپ کو نیکیوں کے لیے فارغ کرنا پڑتا ہے

ہیں جن کو اصلی محبت صرف خدا سے ہے اگرچہ بیوی بچے بھی ان کے ہیں تو ان کے پاس جائیے اور دیکھئے کہ مصیبت میں ان کی کیا حالت ہوتی ہے اور راحت میں کیا حالت ہوتی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ مصیبت و راحت دونوں میں ان کی یہ حالت ہے کہ ہرچہ از دوست میرسد نیکوست[1]۔ ایک بزرگ کی خدمت میں کسی نے ایک نہایت قیمتی موتی بھیجا جب ان کے پاس پہنچا تو فرمایا الحمد للہ اس کے بعد وہ موتی گم ہوگیا آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا الحمد للہ۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرت یہ اجتماع الضدین[2] کیسا کہ آنے پر بھی خوشی اور گم ہونے پر بھی خوشی۔ فرمایا اصل خوشی آنے جانے پر نہیں ہوئی بلکہ ایک دوسری بات پر ہوئی وہ یہ کہ جب موتی آیا تھا تو میں نے اپنے قلب[3] کو ٹٹول کر دیکھا تھا کہ اس کے ساتھ قلب کو زیادہ تعلق تو نہیں ہوا مگر معلوم ہوا کہ نہیں میں نے خدا کا شکر کیا۔ اس کے بعد جب یہ گم ہوگیا تو میں نے قلب کو دیکھا کہ اس میں غم کا اثر تو نہیں ہوا معلوم ہوا کہ نہیں۔ اس پر میں نے پھر خدا کا شکر کیا تو یہ الحمد للہ اس پر تھا کہ نہ آنے سے خوشی ہوئی اور نہ جانے سے غم ہوا۔

اسی طرح حضرت غوث الاعظمؒ کے پاس ایک آئینہ چینی لایا گیا آپ نے خادم کے سپرد کردیا اور فرمایا کہ جب ہم طلب کیا کریں تو لایا کرو۔ اتفاق سے ایک مرتبہ وہ آئینہ خادم سے ٹوٹ گیا۔ وہ نہایت خوف زدہ ہوا اور سہم[4] گیا اور عرض کیا کہ از قضا آئینہ چینی شکست[5]۔ آپ نے فرمایا کہ خوب شد اسباب خود بینی شکست[6] گویا محض مزاح میں اس کو اڑا دیا اور کچھ بھی ا[illegible] یر مزاج مبارک پر نہ ہوا۔

---

(۱) جو حالت بھی ہے دوست کی طرف سے پیش آئے اچھی ہی ہے (۲) ایک دوسرے کی ضد کو کیسے جمع کردیا (۳) دل (۴) ڈر گیا (۵) قضائے الٰہی سے چینی آئینہ ٹوٹ گیا (۶) آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا ہوا کہ اپنی اچھائیوں پر نظر پڑنے کے اسباب ختم ہوگئے (کیونکہ اپنی خوبیوں پر نظر پڑنے سے تکبر پیدا ہوتا ہے)

اسباب پریشانی

سبب اس کا یہ ہے کہ جتنی پریشانی ہوتی ہے تعلق ماسوی اللہ[1]۔ سے ہوتی ہے اور جن لوگوں کو خدا سے تعلق نہیں ہے وہ ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور وجہ ان کی اس پریشانی کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر امر کے متعلق ایک خاص تجویز اپنے ذہنوں میں تراش لیتے ہیں جیسے شیخ چلی کا تجویز کردہ خاندان تھا۔ تو ہم سب اس بلا میں مبتلا ہیں کہ ہر وقت بیٹھ کر یہ دھن لگایا کرتے ہیں کہ یوں تجارت ہوگی، اتنا نفع اس میں ہوگا، یوں ہم بنک میں روپیہ داخل کریں گے۔ اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ ہر تمنا پوری ہوتی نہیں تو سارے رنج کی بات یہ ہے کہ آرزو کرتا ہے اور وہ پوری ہوتی نہیں۔ کوئی دنیادار کسی وقت آرزو سے خالی نہیں ہے تو ہر وقت کسی نہ کسی تمنا میں رہتا ہے اور تمنا ہونا ضروری نہیں اس سے پریشانی ہوتی ہے تو کوئی دنیادار پریشانی سے خالی نہیں۔ اور اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ ہر کام انہوں نے مفوض[2] بحق کردیا ہے۔ اپنی کچھ تجویز نہیں کرتے تو جو کچھ ہوتا ہے ان کے لیے ایذا[3] دہ نہیں ہوتا۔

اہل اللہ کو رنج نہ ہونے کی حقیقت

حضرت بہلول[4] نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیسا مزاج ہے کہنے لگے کہ اس شخص کے مزاج کی کیا کیفیت پوچھتے ہو کہ دنیا کا ہر کام اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہو۔ حضرت بہلول نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ کہنے لگے کہ یہ تو عقیدہ ہی ہے کہ کوئی کام خدا کی خواہش کے خلاف نہیں ہوتا تو جس نے اپنی خواہش کو بالکل خدا تعالی کی خواہش میں فنا کردیا ہو تو جس طرح ہر کام خدا کی

---

(۱) غیر اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے ہوتی ہے (۲) ہر کام اللہ کے سپرد کردیا ہے (۳) تکلیف دہ
(۴) ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں بہلول دانا کے نام سے مشہور تھے

خواہش کے موافق ہوگا اس طرح اس شخص کی خواہش کے موافق بھی ہوگا کوئی بات اس کی خواہش کے خلاف نہ ہوگی اور جب یہ نہیں تو اس کو رنج کیوں ہوگا۔ یہ راز ہے اس کا کہ اہل دنیا کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی اور اہل اللہ کو کبھی رنج نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو اہل اللہ کو مریض ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے ان پر مختلف انواع[1] کے صدمات بھی پڑتے ہیں تو صاحبو میں نے الم یعنی دکھ کی نفی نہیں کی ان کو الم ہوتا ہے لیکن پریشانی و کوفت نہیں ہوتی اس الم کی ایسی مثال ہے جیسے فرض کرو کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہے اور ایک مدت کے بعد محبوب کی زیارت اس کو نصیب ہوئی اور اس کو دیکھ کر بالکل از خود رفتہ[2] ہوگیا اسی حالت میں محبوب کو سلام کیا اس نے بجائے جواب دینے کے دوڑ کر اس کو گلے سے لگالیا اور خوب زور سے دبایا کہ اس کا ارمان پورا ہوجائے۔ عاشق چونکہ فراق کی تکلیف میں بالکل نحل[3] چکا تھا اس کے دبانے پر لگیں ہڈیاں پسلیاں ٹوٹنے عین اس دبانے کی حالت میں اتفاقاً ایک رقیب آگیا اس کو دیکھ کر محبوب نے کہا کہ اگر میرے دبانے سے تم کو تکلیف ہوتی ہو تو تم کو چھوڑ کر اس کو دبالوں۔ اب غور کیجئے کہ وہ عاشق اس کا کیا جواب دے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہی کہے گا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا نصیبہ ایسا نہ ہو کہ وہ تیری تلوار کا مقتول ہو خدا کرے یہ سعادت تیرے عشاق کی قسمت میں ہی آئے اور دوستوں کا سر سلامت چاہیئے کہ اپنے خنجر کو آزماتا رہے)۔

اور یہ کہے گا۔

اسیرت نخواہد رہائی زبند
شکارت نجوید خلاص از کمند

---

(۱) مختلف قسم کے (۲) بے قابو (۳) کمزور ہوچکا تھا

(تیرا قیدی تیری قید سے رہائی کی خواہش نہ کرے گا تیرا شکار پھندے سے نکلنا پسند نہ کرے گا)

اور یہ کہنے لگا کہ۔

گردو صد زنجیر آری بگسلم
غیر زلف آں نگار دلبرم

(اگر تو دو سو زنجیریں بھی لگائے گا تو میں ان کو توڑ دوں گا سوائے اس معشوق کی زلف کے جو میرے دل کو لے جانے والا ہے)۔

کیا اس قید کو وہ گراں[1] سمجھے گا ہرگز نہیں ہاں تکلیف جسمانی ضرور ہوگی مگر قلب کی یہ کیفیت ہوگی کہ اس میں راحت بھری ہوئی ہوگی بلکہ زبان سے یہ نکلتا ہوگا۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اسی طرح اہل اللہ کو اگر تکلیف پہنچتی ہے تو جسمی مگر قلب ان کا ہر وقت راحت میں ہے[2]۔

گناہ مصیبت کا سبب ہیں

اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ گناہ کرنے والے کیسی تکلیف میں ہیں کہ کسی وقت راحت نصیب نہیں تو گناہ سے یہ فوری مضرت ہوتی ہے نیز اس کے سوا ایک اور بھی تکلیف ہوتی ہے اور ہے وہ بھی عاجل[3] مگر فعل کے بعد ہوتی ہے اور

---

(۱) بھاری (۲) اسکی ایک دوسری مثال جو عام ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی کی بیٹی کی شادی ہو کر رخصت ہو رہی ہوتی ہے تو اگرچہ اس کی جدائی کیوجہ سے ماں، باپ رو رہے ہوتے ہیں لیکن ان کے دل خوش ہوتے ہیں اور اگر اس وقت میں کوئی کہے کہ اگر آپ کو اس کی جدائی کی تکلیف ہے تو ہم چھوڑ دیتے ہیں تو وہ ہرگز برداشت نہ کریں گے یہ ہے اجتماع ضدین کہ رو بھی رہے ہیں اور خوش بھی بہت ہیں۔ خلیل

(۳) فوری

یہ مذکور بالا[۱] فعل کے ساتھ تھی وہ یہ ہے کہ جتنے گناہ کرنے والے ہیں وہ ہمیشہ کسی نہ کسی آفاقی مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں جیسے یہ مذکورہ کلفت مصیبت انفسی تھی ارشاد خداوندی ہے۔ اولا یرون انهم یفتنون فی کل عام مرة او مرتین ثم لا یتوبون ولاهم یذکرون[۲]۔ (اور کیا ان کو نہیں دکھلائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ کچھ سمجھتے ہیں مگر لوگ اس قسم کے مصائب کو یہ نہیں سمجھتے کہ فلاں گناہ کی سزا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسے وقت کہا کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کونسا گناہ ہوا تھا جس کے سبب یہ تکلیف جھیلنی پڑی اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ تکلیف گناہ کے سبب ہوا کرتی ہے مگر تعجب صرف اس پر ہے کہ کونسا گناہ ہم سے ہو گیا تھا۔ مجھے لوگوں کے اس تعجب ہی پر تعجب ہے کیونکہ ہم میں وہ ایسا کون ہے کہ ہر وقت کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں رہتا اور جب ہر وقت گناہ میں مبتلا رہیں تو تعجب تو آفات میں مبتلا نہ ہونے پر کرنا چاہیئے تھا۔ بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ گناہ کرنے سے دنیا کی بھی پریشانی ہوتی ہے اور آخرت کی الگ رہی۔ اب خدا تعالیٰ کی رحمت کو دیکھیئے کہ فرماتے ہیں کہ اس مضرت سے بچو۔ وذروا ظاهر الاثم وباطنه[۳] (ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو) آپ نے دیکھا کہ کتنی بڑی مضرت سے خدا تعالیٰ نے بچایا ہے۔

قرب قیامت کا مطلب

اور میں نے اس کے بیان کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس کے متعلق ہم میں چند طرح کی کوتاہیاں ہیں ایک تو یہ کہ ہم میں اکثر کو تو دین ہی کی خبر نہیں ان کا تو یہ مذہب ہے کہ۔

---

(۱) اور یہ جو پہلے ذکر کی گئی ہے (۲) التوبہ آیت ۱۲۶ (۳) الانعام آیت ۱۲۰

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

کیوں صاحبو اگر کوئی شخص آپ کو زہر بھرا لڈو لاکر دے تو کیا اسی اپنے قول کے موافق وہاں بھی عمل کرو گے کہ کل کے دن کیا خبر گذرے اب تو لڈو کھانے کو ملتا ہے یا کہ اس کے انجام بد پر نظر کرکے اس کو ترک کردو گے۔ تو کیا قیامت آپ کے نزدیک کل سے کچھ زیادہ دور ہے۔ صاحبو! کل کے چار بجے تو ۲۴ گھنٹے یقینی ہیں اور قیامت کے متعلق ۲۴ منٹ کی بھی خبر نہیں اس لیے کہ شاید ہمیں نفس نفس واپسین بود (شاید یہ ہی سانس آخری سانس ہو) موت کا کوئی مقرر اور معین وقت نہیں۔ لوگ اس دھوکے میں ہیں کہ ابھی تو ہم جوان ہیں۔ صاحبو! لوگوں کو اس طرح موت آگئی ہے کہ خود ان کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ اب ہم مرجائیں گے۔

کانپور میں ایک صاحب گھر میں آئے کھانا مانگا۔ ماما کھانا اتار کر لائی دیکھا تو آقا صاحب ختم ہوچکے۔ غرض موت کا کوئی قاعدہ اور وقت مقرر نہیں ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض آپ سو برس کے بھی ہوگئے تو کیا ہوگا۔ وہ سو برس بھی جب گذر جائیں گے تو ایک دن کے برابر بھی نہیں معلوم ہوں گے حضرت نوح علیہ السلام سے جن کی عمر قریب ڈیڑھ ہزار برس کے ہوئی حضرت عزرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے دنیا کو کیسا پایا، فرمایا جیسا دو دروازے والا ایک گھر ہو کہ ایک دروازے سے داخل ہوا اور گذرتا ہوا دوسرے دروازے سے نکل جائے اور اگر یہ سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھ کہ آپ کی عمر کے مثلاً چالیس چالیس پچاس پچاس برس گذر گئے ہیں مگر غور کرکے دیکھو کہ یہ اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا جیسے آیندہ کل کا دن تو موت کو مدید اور بعید[1] سمجھنا بڑی غلطی کی بات ہے جب وہ آئے گی تو یہ حالت ہوگی جیسے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قال کم لبثتم فی الارض عدد سنین.

---

[1] موت کو لمبا اور دور سمجھنا

قالوا لبثنا یوماً او بعض یوم فسئل العادین"(۱)۔ ارشاد ہوگا کہ اچھا یہ بتلاؤ تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین پر رہے ہوگے وہ جواب دیں گے کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے۔ اور سچ یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں سو گننے والوں سے پوچھ لیجیے) خیال تو کیجیے اتنی بڑی بڑی عمریں اور جب پوچھا جائے گا تو ایک دن سے بھی کم معلوم ہوں گی تو جب یہ حالت ہے تو پھر کاہے پر ادھار کھائے بیٹھے ہو۔ صاحبو جس وقت ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے تو جیل خانہ کو بہت بعید سمجھتا ہے لیکن جب سزا کا وقت آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قریب تھا۔ تو یہ کہنا کہ اب تو آرام سے گذرتی ہے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے کتنی بڑی غلطی کی بات ہے۔ حضرت خدا تعالی تو جانتا ہی ہے عاقبت کی خبر لیکن جس کو خدا بتلادے وہ بھی جانتا ہے۔ اگر کوئی مریض کہے کہ طبیب جانے کہ اس غذا میں کیا نقصان ہے تو اس سے کیا کہو گے یہی کہ بھائی طبیب تو بے شک جانتا ہے لیکن جب اس نے تمہیں بتلادیا تو اب تو تم بھی جانتے ہو اسی طرح عاقبت کی حالت جب خدا تعالی نے تم کو بتلادی تو تم بھی تو جان گئے پھر غفلت اور جرأت کیسی اور بہت لوگ جو دنیا کے پیچھے پڑے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ موت اور عاقبت کو بھول گئے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے۔ اکثروا ذکرھاذم اللذات الموت (دنیا کی لذتوں اور مزوں کو ختم کرنے والی چیز یعنی موت کو زیادہ سے زیادہ یاد رکھو) ہر مسلمان کو چاہئیے کہ اس مراقبہ کا دوام کرے اور سوتے وقت اس طرح غور کرے کہ مرنے کے بعد یہ خدم و حشم(۲) سب چھوٹ جائے گا اور میں اکیلا رہ جاؤں گا اور صرف باز پرس رہ جائے گی اور سوچے کہ حضرت سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہزار تلوار لگیں تو اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی جان کے نکلنے میں ہوتی ہے اور ظاہر بھی ہے کہ ذرا بدن کا ایک رواں توڑ کر دیکھے تو کس قدر تکلیف ہوتی ہے تو جب فرشتہ پوری جان نکالے گا اس وقت کیا عالم ہوگا اسی طرح سوچو کہ حشرو نشر

(۱) المؤمنون آیت ۱۱۲، ۱۱۳ (۲) نوکر چاکر رعب دبدبہ

کے وقت کیا حالت ہوگی جب اس طرح سوچو گے تو دنیا سے دل سرد ہوجائے گا میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم تجارت زراعت کو چھوڑ دو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کسی کام میں دل نہ لگاؤ۔ ایک قطعہ مجھے اس مضمون کے مناسب ایک ناصح کا یاد آیا فرماتے ہیں۔

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملک روس اور کیا سرزمین طوس ہے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجیے زندگی
اس طرف آواز طبل اودھر صدائے کوس ہے
صبح سے تا شام چلتا ہوئے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہرویوں سے کنار و بوس ہے

یہ تو ہوس کا فتویٰ تھا آگے کہتے ہیں کہ۔

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشا ہیں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قید آواز کا محبوس ہے

اور کیا تماشا دکھلایا کہ۔

لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے
مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا اور یہ کیکاؤس ہے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمت دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے"[1]

خیال فرمایئے بڑے بڑے ملوک اور سلاطین گذر گئے مگر ان کا کہیں نشان بھی

---

(۱) حضرت تھانوی کے خلیفہ حضرت خواجہ عزیزالحسن مجذوب غوری کے اشعار ہیں کشکول مجذوب اور کلام مجذوب ان کے

باقی نہیں ہے، اور عجیب بات یہ ہے کہ بادشاہوں کا تو کہیں تاج بھی باقی نہیں لیکن بزرگوں کی جوتیاں تک بھی تبرکاً باقی ہیں اس سے موازنہ کرنا چاہیے طلب دنیا اور طلب حق کے اثر ہیں۔

دین کی طرف توجہ کرنے کی ترکیب

غرض ایک کوتاہی تو ہم میں یہ تھی کہ دین کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور دوسری کوتاہی یہ ہے کہ اگر توجہ کرتے ہیں تو بے ترتیبی سے کرتے ہیں ترتیب موافق عقل اور شرح کے یہ ہے کہ جلب منفعت سے دفع مضرت اہم[1] ہے چنانچہ اطبا کا اتفاق ہے کہ علاج سے زیادہ ضروری پرہیز ہے تو اس وقت اگر توجہ بھی ہوتی ہے تو وظائف کی طرف اوراد[2] کی طرف جو کہ جالب منفعت ثواب[3] ہے اور آج کل اسی کا نام لوگوں نے بزرگی رکھا ہے کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا دین دار ہے کہ ایک قرآن شریف روز پڑھتا ہے۔ رات بھر جاگتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ دین نہیں اپنے مرتبہ میں یہ بھی دین ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ ضروری کوئی چیز ہے اور وہ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ گناہ کی چیزوں سے بچے جو کہ دفع مضرت[4] ہے اس وقت اس کا مطلقاً خیال نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایک تسبیح بھی نہ پڑھے مگر گناہ چھوڑ دے غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے اور غیر خدا کی محبت سے دل کو خالی کردے اور ایک نفل بھی نہ پڑھے ایک تو ایسا ہو اور دوسرا ایسا ہو کہ ساری رات جاگے عبادت کرے قرآن شریف پڑھے لیکن اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حقیر سمجھے ان کو تکلیف پہنچانے اور بھی گناہ کرے تو خوب سمجھ لو کہ پہلا ناجی[5] ہے اور دوسرا ناری[6] ہے خدا تعالیٰ

---

(۱) نفع حاصل کرنے کی نسبت نقصان سے بچنا زیادہ ضروری ہے (۲) وظیفوں اور مختلف اذکار کے ورد کرنے کا خیال آتا ہے (۳) جو کہ ثواب کے نفع کا باعث ہیں (۴) نقصان دہ چیز کا دور کرنا ہے (۵) نجات پانے والا (۶) آگ میں جانے والا ہے

نفلوں کو نہیں دیکھتے۔ حدیث میں ہے لاتعدل بالرعۃ. یعنی ورع کی برابر کسی عمل کو نہ سمجھو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے کسی نے ذکر کیا کہ فلاں عورت بہت روزے رکھتی ہے لکن تؤذی جیرانھا (لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے) فرمایا ھی فی النار (وہ دوزخی ہے) پھر ایک دوسری عورت کے بارے میں پوچھا کہ وہ بہت زیادہ عبادت (یعنی نفل وغیرہ) نہیں کرتی لکن لا تؤذی جیرانھا (لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی) فرمایا ھی فی الجنۃ (وہ جنت میں ہے) آج کل ہمارے دین دار بھی دین کی وہ چیزیں لیتے ہیں جن کی کوئی صورت محسوس ہے یعنی وجودی عبادت اور جس کی کوئی صورت محسوس نہ ہو۔

جیسے ترک معصیت[1] کا اس کا اہتمام کم کرتے ہیں حالانکہ اس میں نفس کا کید ہے کہ وجودی[2] عبادت میں لوگوں کی نظروں میں عزت و وقعت ہوتی ہے اور ترک[3] میں کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا مثلاً اگر ایک شخص ساری عمر کسیکی غیبت نہ کرے تو دوسروں کو پتہ بھی نہیں چل سکتا کیونکہ وہ تو ترک ہے اور ترک فعل[4] نظر میں نہیں آیا کرتا نظر میں تو کسی فعل کا ارتکاب[5] واخذ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجودی عبادت تو کرتے ہیں مگر گناہ کو نہیں چھوڑتے اور اگر چھوڑا بھی تو بعض کو اور یہ بعض کا چھوڑنا بعض کا نہ چھوڑنا تو نہ چھوڑنے ہی کے حکم میں ہے۔ مثلاً اگر ہم نے غیبت کو نہ چھوڑا اور گالی کو چھوڑ دیا تو من وجہ نہ چھوڑنا ہی ہے۔ کیونکہ گالی وغیرہ کو ہم نے اس لیے چھوڑا ہے کہ اس میں بدنامی کا اندیشہ ہے۔ تو راز اس میں بھی وہی ہے کہ ایک گناہ مضر جاہ[6] ہے اور دوسرا نہیں ورنہ اگر خدا کے خوف سے چھوڑا جاتا تو سب گناہ چھوڑ دینے چاہئیں تھے۔

تیسری کوتاہی یہ ہے کہ اگر گناہ کو چھوڑتے ہیں تو بعض کو اور بعض کو نہیں جیسا پہلے ضمناً عرض کیا اور اگر کوئی بزعم خود[7] سارے گناہوں کو بھی

---

(۱) گناہ کو چھوڑنا (۲) عبادت کرنے ہیں (۳) چھوڑنے (۴) کام نہ کرنا (۵) کام کا کرنا (۶) مرتبہ کے لیے نقصان (۷) اپنے خیال میں

چھوڑے تو اس میں کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ ظاہری گناہوں کو جو کہ ہاتھ پیر کے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ گناہ انہی کو سمجھتے ہیں اگر کسی سے پوچھا جائے کہ گناہ کیا کیا ہیں تو وہ انہی کو گنوائے گا۔ کبھی ریا اور کینہ وغیرہ کا نام بھی نہ لے گا وجہ یہی ہے کہ ان کو گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ خدا تعالیٰ نے ان سب کوتاہیوں کا علاج اس میں فرمایا ہے کہ وذروا ظاہر الاثم و باطنہ (تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو) پس اس میں یہ بات بھی بتلادی کہ بڑی بات یہ ہے کہ گناہ کو چھوڑا جائے اور سب کو چھوڑا جائے، اور یہ بھی بتلادیا کہ گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی یعنی جوارح کے متعلق بھی اور قلب کے متعلق بھی۔

گناہوں کی مختصر فہرست

گناہ کی فہرست تو بہت بڑی ہے مگر میں مثال کے طور پر مختصراً لکھتا ہوں کہ مثلاً آنکھ کا گناہ ہے، کسی نامحرم کو دیکھنا امرد[۱] کا دیکھنا یا اجنبی کا ایسا بدن دیکھنا کہ اس کا دیکھنا شرعاً ناجائز ہے جیسے عورت کے سر کے بال[۲] اور یہ مسئلہ عورتوں کو بھی بتلانا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس میں بہت مبتلا ہیں۔ ایک گناہ آنکھ کا یہ ہے کہ کسی کی چیز دیکھ کر حرص کرے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لاتمدن عینیک الی ما متعنابہ ازواجاً منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیاالخ[۳] (ہرگز مت اٹھاؤ اپنی آنکھوں کو اس چیز کی طرف جو ہم نے کفار کو ان کی آزمائش کے لیے نفع کے واسطے دی ہیں یعنی دنیا کی رونق وغیرہ)

اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ مال حاصل نہ کرو بلکہ مطلب یہی ہے کہ مال کو قبلہ و کعبہ نہ بناؤ کہ اس کی بدولت دین ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اسی طرح زبان کا

---

(۱) نابالغ بچے کو بری نظر سے دیکھنا (۲) کیونکہ عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے چہرے ہاتھ اور پیروں کے جیسے مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک ستر ہے کہ اس کا دوسرے کے سامنے بلا ضرورت شرعی کھولنا ناجائز ہے (۳) الحجر آیت ۸۸

گناہ چغلخوری ہے، غیبت ہے جھوٹ بولنا ہے آج کل کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں الاماشاء اللہ اس کا علاج یہ ہے کہ جو کچھ بولو سوچ کر بولو کہ میں کیا کہوں گا اور وہ بات خلاف مرضئ حق[۱] تو نہ ہوگی پھر ان شاء اللہ تعالیٰ زبان کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کان کا گناہ یہ ہے کہ چھپ چھپ کر کسی کی بات سنے گانا سنے۔ ہاتھ کا گناہ یہ ہے کہ کسی نا محرم کو چھوئے کوئی ناجائز مضمون لکھے۔ پیر کا گناہ یہ ہے کہ کسی ناجائز موقع پر چلا جائے۔ اور ایک پیٹ کا گناہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزی حلال مل ہی نہیں سکتی جب حلال نہیں مل سکتی تو حرام حرام سب برابر پھر کہاں تک بچیں۔ صاحبو! یہ گمان بالکل غلط ہے جس کو فقہ حلال کہدے وہ بلاشبہ حلال ہے۔ لوگ علماء سے پوچھتے نہیں ورنہ بہت سی حلال صورتیں نکل آئیں۔ افسوس ہے معاملات میں وکلاء سے تو مشورہ کیا جاتا ہے مگر اہل علم سے کبھی مشورہ نہ کریں گے اور یہ نہ پوچھیں گے کہ یہ ناجائز ہے یا جائز۔ صاحبو! اگر عمل کی بھی توفیق نہ ہو تب بھی ہر معاملہ کو پوچھ تو ضرور ہی لو۔ اگر آتشک[۲] ہو تو اس کا نسخہ تو ضرور ہی یاد کرلو اگرچہ اس کو برا تو نہیں کیونکہ معلوم ہوگا تو کبھی تو توفیق ہی ہو جائے گی۔ اسی طرح تمام بدن کے متعلق ایک گناہ ہے کہ لباس کفار کے مشابہ پہنا جائے۔ صاحبو! اگر تمہارے نزدیک مذہبی حکم کوئی چیز نہیں تو اسلامی غیرت تو ہونی چاہیئے۔ کیا یہ غیرت کی بات نہیں آخر قومی امتیاز بھی کوئی چیز ہے اور اگر ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے۔ غضب ہے کہ اکثر ہندو تو ایسی وضع اختیار کرنے لگے ہیں۔ جیسے مسلمان کی ہونی چاہیئے۔ اور مسلمان ہندوؤں کی وضع اختیار کرنے لگے ہیں۔ میرے بھائی کے پاس ایک تحصیل دار اور ایک سب انسپکٹر آئے۔ تحصیل دار ہندو مگر ریش بروت[۳] مسلمانوں کا سا۔ اور سب انسپکٹر صاحب مسلمان مگر چہرہ ہندوؤں کا۔ خدمت گار نے پان تحصیل دار کے سامنے رکھدیئے تو سب انسپکٹر بنے، تحصیل دار صاحب بھی بنے،

---

(۱) اللہ کی مرضی کے خلاف (۲) ایک بیماری (۳) چہرے پر داڑھی

نوکر سمجھ گیا اور پان سب انسپکٹر کے سامنے رکھ دیئے۔ بھائی نے کہا کہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ایک نوکر آپ کو ہندو سمجھے۔

صاحبو! غیرت کرنی چاہئیے اور ہماری یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر اس تبدل ہیئت[۱] میں مصلحت کیا ہے بجز اس کے کہ یہ ایک غیر مسلم قوم کا لباس ہے تو گویا نعوذ باللہ یہ مطلب ہوا کہ لاؤ ہم بھی کافر بنیں اگرچہ صورۃً ہی ہوں مجھے ایک ظریف کا قول یاد آیا کہنے لگے کہ اس وقت نوجوانوں کی یہ حالت ہے کہ اگر اہل یورپ کسی مصلحت سے اپنی ناک کٹوانے لگیں تو یہ نوجوان بغیر سوچے سمجھے اپنی ناک بھی کٹوانے لگیں گے اور در اصل وجہ یہ ہے کہ تبدل ہیئت کو باعث شوکت سمجھتے ہیں کیونکہ یہ وضع اہل حکومت[۲] کی ہے۔ لیکن صاحبو! اگر شوکت بھی ہوتی تو نتیجہ کیا، شوکت تو اس لیے حاصل کی جاتی ہے کہ اغیار کے مقابلے میں اس سے کام لیا جائے نہ اس لیے کہ اپنوں ہی پر رعب جمادیں پھر اوپر سے یہ لوگ ہمدردی قومی کے بھی مدعی ہیں یاد رکھو! ہمدردی اور نفع رسانی اس شخص سے ممکن ہے کہ وہ قوم سے اختلاط[۳] و مناسبت پیدا کرے نہ کہ ان سے نفور[۴] ہو اور ان کو اپنے سے متوحش بنادے بعض لوگ اس مسئلے میں یہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم اس لباس سے کافر ہوجائیں گے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ اگر آپ عورت کا لباس پہن لیں تو کیا آپ عورت ہوجائیں گے، اور جب نہ ہوجائیں گے تو اس کو بھی کیوں اختیار نہیں کیاجاتا اور بعض چیزیں تو ایسی ہیں کہ ان کو شوکت سے بھی کوئی تعلق نہیں مثلاً تصویر رکھنا، کتا پالنا، ڈاڑھی منڈانا۔ مجھے ایک اپنی اور ایک دوسرے صاحب کی حکایت یاد آئی۔ اپنی تو یہ کہ میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کر رہا تھا کہ ایک جنٹلمین جو کتا لیے ہوئے تھے مجھ سے فرمانے لگے کہ کتے میں ایسے ایسے

---

(۱) وضع کی تبدیلی (۲) اس زمانے میں تو انگریز کی حکومت تھی جو اہل حکومت تھے۔ آج کل اگرچہ اقتدار مسلمانوں کا ہے لیکن اب تک ذہنی غلامی دماغوں میں بسی ہوئی ہے انگریزی تعلیم کی وجہ سے (۳) میل جول (۴) دور بھاگے

اوصاف ہیں پھر اس کو پالنا کیوں منع کیا گیا۔ میں نے کہا کہ صاحب اس کا ایک تو عام جواب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اور یہ جواب ہزاروں شبہات کا ہے۔ دوسرا جواب خاص جواب ہے جو اس باب کے ساتھ مخصوص ہے وہ یہ کہ اس میں باوجود ان صفات کے ایک ایسا عیب ہے کہ جس نے سب اوصاف کو گرد[1] کردیا اور یہ وہ ہے کہ اس میں قومی ہمدردی نہیں اس لیے اس کا پالنا منع ہے۔ پس چپ ہی تو ہوگئے اور خوش ہوکر تسلیم کیا۔ اور دوسرے کی حکایت یہ ہے کہ ایک صاحب کتا بغل میں دبائے بیٹھے تھے کسی نے کہا کہ اس میں کیا مصلحت ہے کہنے لگے تاکہ فرشتہ موت کا نہ آئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی بات نہیں آخر دنیا میں کتے بھی تو مرتے ہیں جو فرشتہ ان کی جان نکالتا ہے وہی تمہاری بھی نکالے گا۔ اور پہلی حکایت میں جو میں نے دوسرا جواب دیا تھا جس سے وہ بہت خوش ہوئے تھے واقع میں وہ کوئی بڑی بات نہیں بات اصلی تو وہی تھی کہ ہم کو حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے غرض بعضے گناہ میں تو بالکل ہی ضرورت و مصلحت کا کوئی درجہ نہیں گو جن کو ضروری سمجھا جاتا ہے بایں معنیٰ کہ ان کے نہ کرنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے اور ان کے لیے نفس کچھ حیلہ[2] نکال لیتا ہے عقل صحیح کے سامنے وہ بھی لغو[3] ہیں لیکن اس وضع کے بدلنے میں تو کسی درجے کا بھی نفع نہیں اور اس کے چھوڑنے میں کونسی تکلیف ہے تو یہ گناہ بالکل گناہ بے لذت ہوا اور اگر بالفرض کوئی لذت و ضرورت ہو بھی تو خدا کے حکم کے سامنے اپنی مصلحت کیا چیز ہے یہ تو ظاہری گناہ تھے اور باطنی گناہ یہ ہیں کہ مثلاً اہل دنیا تو دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں اور دیندار اس پیرایہ میں تو نہیں لیکن وہ اپنے کو بزرگ سمجھ کر دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں خوب کہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ کہاں کی بزرگی یہ کہا ہے۔

---

(۱) تمام خوبیوں پر مٹی ڈال دی (۲) بہانہ (۳) بیکار

غافل مرد کہ مرکب مردان مرد راہ
در سنگلاخ بادیہ بپا بریدہ اند

(غافل مت رہ کہ جو لوگ منزلوں کو طے کرنے والے ہیں ان کے گھوڑے پتھریلے راستوں کو بھی میدان کی طرح طے کر لیتے ہیں)

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش
ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

(ناامید بھی مت ہو جاؤ کہ شراب عشق سے مست لوگ ایک آواز میں منزل پر پہنچ جاتے ہیں)

یہ گناہوں کی مختصر سی تفصیل ہے۔

گناہ چھوڑنے کا طریقہ

اب اس کا طریقہ سمجھیے کہ یہ کس طرح چھوٹیں۔ سو طریقہ یہ ہے کہ سوچا کرو کم از کم سونے کے وقت آج ہم نے کیا کیا شرارتیں کی ہیں اس کے بعد سوچو کہ ان پر کیا سزا ہونے والی ہے اس کے بعد سوچو کہ ہم نے اس سزا سے بچنے کی کیا تدبیر کی ہے جب کچھ سمجھ میں نہ آئے تو توبہ کرو اور خوب روؤ اسی طرح روزانہ کیجئے پھر ایک چلہ[1] کے بعد دیکھیے کہ کتنی کایا پلٹ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کی بھی کوشش کیجیے کہ آپ کو گناہوں کی مفصل فہرست معلوم ہو جائے۔ آپ نے آج تک شاید سنا بھی نہ ہو کہ اگر ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کرے اور بیس سیر اسباب ہو تو بغیر محصول دیئے لیجانا حرام ہے تو آپ کو ضروری ہے کہ علم دین حاصل کریں خواہ اردو ہی کی کتابیں ہوں مگر ہر رطب[2] و یابس دیکھنے کے قابل نہیں بلکہ محقق علماء سے انتخاب کرا کے کتابیں دیکھو ہر قسم کی کتابیں نہ دیکھو بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب دیکھنے میں کیا حرج ہے تو صاحبو! حرج یہ

---

(۱) چالیس دن بعد (۲) اچھی بری

ہے کہ آدمی ڈانواں ڈول[۱] ہوجاتا ہے اور یہی راز ہے تقلید کا کہ اس تذبذب سے محفوظ رہے تو ہر قسم کی کتابیں نہ دیکھو بلکہ جو علماء محقق بے غرض ہیں ان کی کتابیں دیکھو۔ دوسرے یہ کہ ان کو کسی عالم سے پڑھ لو اور اگر پڑھنے کی فرصت نہ ہو تو خود دیکھ لو مگر اس طرح کہ جہاں ذرا بھی شبہ رہے فوراً اس پر نشان بنا دو اور کسی عالم سے اس کو پوچھ کر حل کرلو۔ اور جیسے کھانے کی روزانہ ضرورت ہے اسی طرح اس کو بھی ساری عمر کے لیے ایک ضرورت کی چیز سمجھو اور مطالعہ کرو اور جو پڑھ نہیں سکتے وہ پڑھے ہوؤں سے سن لیا کریں اور اس طریقے سے ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں تمام امت محمدیہ ﷺ کے افراد باخبر ہوجائیں گے اور اس کے ساتھ وہ مراقبہ مفید ہوگا جو اوپر مذکور ہوا اس ترتیب کے ساتھ اگر کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد سب گناہ چھوٹ جائیں گے خدا تعالیٰ نے تھوڑے سے لفظوں میں ان سب کو بتلادیا ہے کہ۔ وذروا ظاہر الاثم وباطنه. ان الذين يكسبون الاثم سيجزون بماكانوا يقترفون[۲]

(تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑو بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کیے کی عنقریب سزا ملے گی)۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو وہ توفیق عمل عطا فرمائیں آمین یا رب العالمین[۳]۔

تمت بالخیر

••••••••••••••••••

---

(۱) تذبذب کا شکار ہوجاتا ہے (۲) الانعام آیت ۱۲۰ (۳) محشی شکیل احمد تھانوی اور اس کی اولاد کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے کہ اللہ پاک عمل کے ساتھ سب ظاہری باطنی گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

درود لامتناهی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ مُضْعِفاً اَبَداً   عَلَی النَّبِیِّ کَمَا کَانَتْ لَکَ الْکَلِمُ

ترجمہ:

یااللہ حضور ﷺ پر اپنے کلمات کی بمقدار درود و سلام نازل فرما دو گنا در دو گنا ہمیشہ:
معنی اس شعر کے یہ ہیں کہ اے اللہ حضور ﷺ پر اپنے کلمات کے بقدر درود شریف نازل فرما اللہ تعالیٰ اپنے کلمات کے بارے میں قرآن حکیم میں فرماتے ہیں۔

" قل لوکان البحر مداداً لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمٰت ربی ولوجئنا بمثله مدداً ". الکہف آیت ۱۰۹

ترجمہ: کہدیجئے اگر ہو سمندر سیاہی باتیں لکھنے کیلئے میرے رب کی تو ختم ہوجائے سمندر پیشتر اسکے کہ ختم ہوں باتیں میرے رب کی اور اگرچہ ہم لے آئیں ایسا ہی اور (سمندر)۔ مدد کیلئے:۔ ایک دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا:۔

" ولو ان مافی الارض من شجرة اقلام والبحر یمده من بعده سبعة ابحر مانفدت کلمٰت الله ان الله عزیز حکیم "

ترجمہ: اور جو کچھ زمین میں ہیں درخت وہ قلمیں ہوجائیں اور سمندر (سیاہی) کی مدد کریں اسکی اسکے ساتھ سات سمندر اور بھی تو بھی نہ ختم ہوں کلمات الٰہی بیشک اللہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔ لقمٰن آیت ۲۷

تو مطلب اب یہ ہوا کہ اپنے ان لامتناہی کلمات کی بقدر حضور ﷺ پر درود و سلام نازل فرما اور وہ بھی مضعفا یعنی دو گنا در دو گنا کہ دو اسکا دو گنا چار اسکا دو گنا آٹھ اور اسکا دو گنا سولہ اور اسکا دو گنا بتیس اس حساب سے اس میں اضافہ کرتے رہیں الی غیر النہایۃ۔ اور پھر وہ بھی ابداً یعنی ہمیشہ ہمیشہ۔ تو گویا اس ایک شعر میں اللہ پاک سے یوں کہا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ پر میری طرف سے لامتناہی درود ہمیشہ بھیجتے رہیے۔

خلیل احمد تھانوی